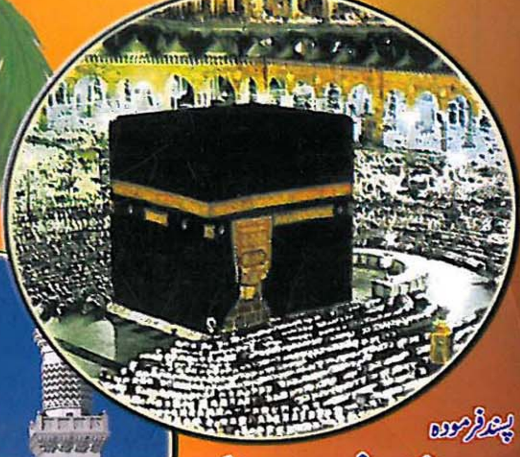
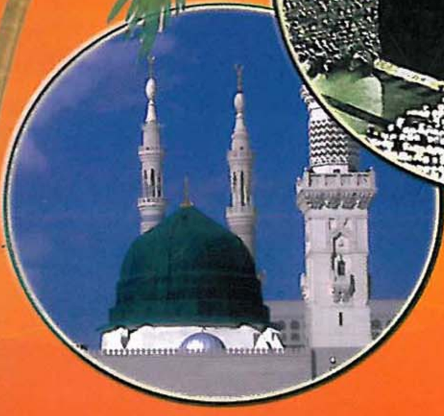
حقیقتِ ہدایت





پسند فرمودہ

جناب مفتی محمد نعیم صاحب مدظلہ

مہتمم جامعۃ البنوریہ العالمیہ

مؤلف

جناب امان اللہ اسماعیل صاحب

ناشر

بِن حُور ایجوکیشن اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ

حقیقتِ ہدایت

تالیف:

جناب امان اللہ اسماعیل صاحب

نام کتاب:	حقیقتِ ہدایت
مؤلف:	جناب امان اللہ اسماعیل
اہتمام:	قاری حامد محمود
سنِ اشاعت:	مئی 2014ء
تعداد:	ایک ہزار
سرِ ورق:	منیب افتخار
کمپوزنگ:	سسٹم گرافکس
قیمت:	دعائیں

ملنے کا پتا:

امان اللہ اسماعیل: F-66/2، بلاک 8 کہکشاں، کلفٹن کراچی۔

فون: 0321-8240518 / 0321-8240519

www.wajdan.org

اس کتاب میں مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

(۱) معارف القرآن از مفتی محمد شفیع صاحبؒ

(۲) مفردات القرآن امام راغب اصفہانیؒ

ملنے کا پتا:

بن حور ایجوکیشن اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ

F-66/2، بلاک 8 کہکشاں، کلفٹن کراچی۔

فون: 0321-8240518 / 0321-8240519

Email:wajdan11@rocketmail.com

astmills@hotmail.com

فہرست

اِنتساب

دین کی تفہیم و تعلیم کے لیے جو کچھ اس
کتاب میں پیش کیا گیا ہے وہ سب کچھ میری
عظیم والدہ کی تربیت اور دعاؤں کی برکت ہے،
ان ہی کی دعاؤں نے مجھے اس قابل کیا کہ میں
چند کلمات لکھ سکوں۔
اس لیے میں اپنی یہ کتاب ان ہی سے
منسوب کرتا ہوں۔

الجامعة البنورية العالمية
BINORIA UNIVERSITY INTERNATIONAL

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

تقریظ

انسان کو دنیا و آخرت کی کامیابی کے لیے ہدایت کی ضرورت ہے جب تک وہ صحیح ہدایت اختیار نہیں کرے گا وہ ضلالت و گمراہی میں بھٹکتا رہے گا اور ہدایت کا اختیار کرنا اس پر موقوف ہے کہ پہلے وہ جان تو لے کہ ہدایت کس کو کہتے ہیں؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور آیا آسمانی ہدایت حاصل کرنا انسان کے بس میں اور اختیار میں ہے یا یہ کہ انسان کے اختیار سے باہر ہے اور وہ مجبورِ محض ہے؟

برادرِ محترم جناب امان اللہ اسماعیل صاحب کی زیرِ نظر کتاب کو میں نے تفصیل سے پڑھا۔ آپ نے ماشاللہ بڑے بہترین انداز میں ہدایت کی حقیقت کو واضح کیا ہے اور ہدایت خداوندی کو سمجھنے میں جو غلط فہمیاں ہیں ان کو دور کرنے کی پوری

کوشش فرمائی ہے۔اس لحاظ سے ہدایت کے باب میں یہ مختصر کوشش کے باوجود نہایت مفید کتاب ہے۔

محترم امان اللہ اسماعیل صاحب اس سے قبل بھی کئی مفید کتابیں تصنیف کر چکے ہیں جسے عوام اور اہلِ علم نے بہت پسند فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ رب العزت ان کی اس کوشش کو بھی قبول فرمائے۔آمین

بندہ

مفتی محمد نعیم

مہتمم: الجامعۃ البنوریۃ العالمیۃ

سائٹ کراچی

پیش لفظ

ہم رات دن لفظ ہدایت کو سنتے بھی ہیں اور بولتے بھی ہیں مگر اس کی گہرائی کو نہیں سمجھتے ۔ کہنے کو تو کہہ دیتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا''۔ نتیجتاً لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہدایت و گمراہی اللہ تعالیٰ کی بخشش ہے وہ جسے چاہے ہدایت دے دے اور جسے چاہے گمراہ کر دے۔ یعنی نعوذ باللہ اس کے پاس کوئی قاعدہ نہیں ۔ پھر جب کسی کے ذہن میں یہ نظریہ بیٹھ جائے تو وہ اپنے آپ کو مجبور محض سمجھنے لگتا ہے، نہ ہدایت کے لیے کوشش کرتا ہے نہ دوسروں کو ہدایت کی طرف بلاتا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر اپنی گمراہی کا سارا بوجھ اپنی تقدیر پر ڈال دیتا ہے۔

بہر حال لوگوں میں کئی طرح کے نظریات پھیلے ہوئے ہیں اور ان مختلف نظریات کی جڑ وہی ہے کہ ہدایت کے مفہوم کو سمجھا نہیں گیا۔ لوگوں کے ان مختلف نظریات کو ہم تین اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں ۔

ا۔ انسان خود مختار ہے اور وہ جس نظریے کو چاہے اختیار کرے اور جسے چاہے رَد کر دے۔

۲۔انسان مجبور محض ہے اور نہ وہ ہدایت پر قادر ہے نہ گمراہی پر، جواس کی قسمت میں لکھ دیا گیا ہے بس وہی کرتا رہے گا۔

۳۔انسان کو سرے سے کسی آسمانی ہدایت کی ضرورت ہی نہیں خود اتنا بالغ ہو چکا ہے کہ اپنا راستہ خود متعین کر سکتا ہے۔

ہم اس مضمون میں یہ بات واضح کرنے کی کوشش کریں گے کہ اول تو یہ دیکھا جائے کہ ہدایت کہتے کس کو ہیں اور یہ ہدایت کی کتنی اقسام ہیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کرتے چلے جائیں گے کہ مندرجہ بالا نظریات کی حیثیت کیا ہے اور صحیح ثواب کی راہ کیا ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری مدد فرمائے اور خلق خدا کے لیے اسے نافع بنائے۔

والسلام

امان اللہ اسماعیل

۱۵رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ

12-01-1998

طبع چہارم

14/05/2014

حقیقتِ ھدایت

ہدایت کی اہمیت قرآن کریم میں

اس زمین کی سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑی انسان کی ضرورت ہدایت ہے اگر کسی کے پاس صحیح ہدایت ہے تو اس کے پاس سب کچھ ہے اور ہدایت نہیں تو سب کچھ ہونے کے باوجود وہ انسان مفلس ہے گویا کہ ہدایت سب سے بڑی دولت اور گمراہی سب سے بڑی مفلسی ہے۔ فرد ہو یا جماعت' ہر دو اس کے اتنے ہی محتاج ہیں جتنا کوئی جاندار ہوا، پانی اور خوراک کا محتاج ہے۔ اس لئے جب اللہ تعالیٰ نے اس زمین کے سب سے پہلے انسان کو اس زمین پر اتارا اس وقت سب سے پہلی بات جو فرمائی وہ یہ تھی:

قُلْنَا اهْبِطُواْ مِنْهَا جَمِيعاً فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي
هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرواْ وَكَذَّبُواْ
بِآيَاتِنَا أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا
خَالِدُون ۝

''ہم نے ان سے کہا کہ سب زمین پر اترو اور جب
تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو جو بھی
اس ہدایت کی پیروی کرے گا اس کو کوئی رنج ہوگا نہ غم،
مگر جو، رُوگردانی کرے گا تو اسے سخت عذاب سے دو
چار ہونا پڑے گا''۔ (سورۂ البقرہ:۳۸۔۳۹)

پھر اس بات کی قرآن مجید کی پہلی سورت میں اس طرح تاکید کی گئی کہ ہر نماز میں یہ دعا مانگا کرو کہ:

اهدِنَـــا الصِّرَاطَ المُستَقِيمْ

''کہ (اے اللہ) ہم کو سیدھی راہ کی ہدایت فرما'' (الفاتحہ)

پھر سورہ بقرہ بھی ہدایت ہی کی بات سے شروع فرمائی گویا کہ ہم سے کہا جارہا ہے جس ہدایت کو تم طلب کر رہے ہو وہ ہدایت وحی کی صورت میں پورے قرآن مجید میں موجود ہے فرمایا:

ذَلِکَ الْكِتَابُ لاَ رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

''یہ (قرآن) وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں
ہدایت ہے ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ اختیار کرنا چاہتے
ہیں'' (سورۂ البقرہ:۲)

یہاں تقویٰ کا لفظ استعمال فرمایا جس کے لغوی معنیٰ ''بچنا'' ہوتے ہیں گویا کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اگر میری نافرمانی سے بچنا چاہتے ہو تو اس قرآن پر عمل کرو، اگر اپنی ناکامیوں سے اور میرے غضب سے بچنا چاہتے ہو تو اس کتاب میں جو ہدایت دی گئی ہے اس کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنالو، علامہ اقبال نے خوب کہا کہ:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلمان ہوکر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہوکر (اقبال)

یہاں پر اس بات کی بھی وضاحت ضروری ہے کہ آخر آسمانی ہدایت کی ضرورت کیوں ہے؟ اور کیا آسمانی ہدایت کے بغیر انسان اپنا کاروبارِ حیات صحیح سمت نہیں چلا سکتا؟

آسمانی ہدایت کی ضرورت:

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جب اس زمین پر بسانے کا ارادہ فرمایا تو اس کی مادّی زندگی کی بقاء کے لیے جس چیز کی بھی ضرورت ہوسکتی تھی اس کے اس زمین پر قدم رکھنے سے پہلے ہی مہیا فرمادی:

وَاٰتٰکُم مِن کُلِ مَا سَاَلۡتُمُوہُ ؕ

''تمہارے لئے وہ سب کچھ مہیا کردیا جس کی ضرورت ہوسکتی تھی''

(سورۂ ابراہیم: ۳۴)

مثلاً ہوا، پانی اور خوراک وغیرہ اسی طرح مکان، لباس اور معاش وغیرہ پھر فرمایا کہ اس کائنات کی ساری اشیاء ہم نے تمہارے لئے بنائی ہیں اور تمہارے لئے مسخر بھی کر دی ہیں جس طرح چاہو ان سے کام لو، فرمایا:

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط

''زمین و آسمان میں جو کچھ ہے ہم نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے''

(سورۃ الجاثیہ:۱۳)

پھر ان اشیائے کائنات سے کام لینے کی صلاحیت بھی انسان میں ڈال دی یعنی حواس خمسہ جن سے کام لے کر انسان ہر چیز کا ادراک کر سکے مثلاً بصارت، سماعت، قوت شامہ، قوت لمس اور قوت ذائقہ اور اس کے بعد عقل عطا فرمائی تا کہ جہاں حواس خمسہ کا دائرہ عمل جواب دے جائے وہاں وہ عقل سے کام لے کر اشیائے کائنات کو کام میں لا سکے مگر جس طرح حواس خمسہ کے حدود ہیں وہاں عقل کے بھی حدود ہیں پھر ان حدود کے بعد عقل لاچار و پریشان ہو جاتی ہے اور ایسی ایسی ٹھوکریں کھاتی ہے کہ الامان، الحفیظ۔ دنیا میں آج جتنا بھی فساد، ناہمواری اور ظلم و ستم نظر آ رہا ہے سب ہی ہدایت خداوندی سے آزاد عقل ہی کے فیصلے ہیں۔

مادّی تصوّرِ حیات: دنیا میں اصولی طور پر دو قسم کے نظریات پائے جاتے ہیں ان میں ایک تصور حیات یہ ہے کہ انسانی زندگی محض طبعی زندگی Physicle Life ہے انسان طبعی قوانین کے مطابق زندہ رہتا ہے اور انہیں قوانین کے

ماتحت اس کے جسم کی پرورش ہوتی ہے اور انہی قوانین کی رو سے وہ بالآخر مر جاتا ہے اور جب وہ مر جاتا ہے تو اس فرد کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جاتا ہے۔

عصرِ حاضر کی زبان میں اسے مادّی نظریہ حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جسے اگر مغربی تہذیب کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کیوں کہ وہ تہذیب اسی نظریہ حیات کی مظہر ہے۔ظاہر ہے انسان کو اس نظریے کے تحت نہ اللہ پر ایمان لانے کی ضرورت پڑتی ہے نہ ہی اس ہدایت پر ایمان لانے کی جو کتاب اللہ کی شکل میں ہو۔مگر بالفرض محال اگر وحی کا کوئی منکر اللہ پر ایمان بھی لے آئے تو قرآن مجید ایسے ایمان کو تسلیم نہیں کرتا۔

وحی کے انکار کے بعد ایسے شخص کا خیر وشر کا معیار ہی خود ساختہ ہو جاتا ہے۔ جس سے اس کو نقصان پہنچے اس کو وہ غلط سمجھتا ہے اور جس سے اس کو فائدہ پہنچے اس کو وہ صحیح سمجھنے لگتا ہے بس یہ ہوتا ہے ایسے شخص کا معیار حق و باطل یا زیادہ سے زیادہ جسے اس کا اپنا معاشرہ (سوسائٹی) صحیح سمجھے ۔اس کے نزدیک اپنے جذبات کی تسکین کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

یہ نظریہ دنیا میں نیا نہیں یہ دراصل قدیم جہالت ہے جو دوبارہ لوٹ کر آ گئی ہے۔صرف اپنے جذبات کی تسکین کا رجحان اتنا خطرناک ہے کہ پھر وہ انسان کو جہالت کی انتہائی گہرائیوں میں لے جاتا ہے۔آج سے پندرہ سو سال پہلے کے جاہل بھی یہی کہتے تھے۔ان کا قول قرآن مجید اس انداز میں نقل کرتا ہے:

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ
وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۚ

''وہ کہتے ہیں ہماری حیات تو صرف دنیوی حیات ہے کہ یہیں جینا و مرنا ہے اور ہمیں جو موت آتی ہے وہ تو حوادثِ عالم ہے'' (سورۃ الجاثیہ: ۲۴)

قرآن اس نظریہ کو کفر قرار دیتا ہے۔سورہ جاثیہ ہی میں ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ ۚ

''کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا ہے''۔ (سورہ الجاثیہ:۲۳)

قرآن کریم ایسی زندگی کو حیوانی قرار دیتا ہے:

وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا
تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ

''جولوگ (قرآنی ہدایت کا) انکار کرتے ہیں وہ حیوانوں کی طرح کھاتے پیتے اور سامان دنیا سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور دوزخ ان کا ٹھکانہ ہوگی'' (سورۂ محمد:۱۲)

یہ ہے وہ نقشہ اس شخص کا جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت کو ترک کر کے اپنے نفس کا غلام بنتا ہے اور پھر بھی اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھتا ہے۔

قرآنی تصوّرِ زندگی

اب دوسرے تصورِ زندگی کی طرف آیئے جو کہتا ہے کہ انسانی زندگی صرف طبعی زندگی ہی نہیں جسم کے علاوہ انسان میں ایک اور شے بھی ہے جسے اس کی ذات کہتے ہیں اور وہ قوانین طبعی کے ماتحت نہیں ہوتی جسم کی موت سے اس کی ذات کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ اگر انسان کی ذات کی صحیح نشوونما کی جائے تو اس کی دنیوی زندگی بھی خوش گوار اور سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ اور مرنے کے بعد وہ مزید ارتقائی منازل طے کرتا چلا جاتا ہے۔ انسانی ذات کی نشوونما صرف اور صرف ان قوانین کی رُو سے ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے حضرات انبیاء علیہ السلام کی وساطت سے بذریعہ وحی ملتے ہیں۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ انسانی ذات کے لیے ایمان باللہ اور ایمان بالانبیاء و آخرت کتنا ضروری ہے۔ ایمان دراصل ایک ذہنی کیفیت کا نام ہے اور یہی ذہنی کیفیت انسان کی سوچ میں انقلاب برپا کر دیتی ہے۔ ایسے انسان کا خیر و شر کا معیار اپنا نہیں ہوتا پھر وہ انسانوں کے ساتھ جو روابط بھی رکھتا ہے یا معاملات طے کرتا ہے ان کو نفع و نقصان کے معیار پر نہیں تولتا۔ ایسے انسان کے پاس عالیٰ اقدار ہوتے ہیں وہ

اپنی ذات سے آگے سوچتا ہے۔وہ سب کچھ دے دینے کے باوجود بدلے کی امید نہیں رکھتا۔اس کی سوچ ایک ہی ہوتی ہے کہ وہ انسانیت کے بھلائی کے لیے کیا کچھ کرسکتا ہے اور ایسی سوچ کسی میں پیدا ہو نہیں سکتی جب تک وہ ایمان نہ لائے اور اس کی طرف آئی ہوئی آسمانی ہدایت جو انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے اس تک پہنچی ہو اس کو اختیار نہ کرے۔اس کے بغیر اس میں وہ اعلیٰ اقدار پیدا ہو ہی نہیں سکتے یہ اتنی کھلی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن ہی نہیں۔دنیوی و معاشرتی ضوابط کسی کے ناپسندیدہ افعال پر اسی وقت (روک) قدغن لگا سکتے ہیں جب وہ ان کے علم میں آئیں لیکن اگر گرفت ہو بھی جائے ان کے پاس پھر بھی ستر راستے ہوتے ہیں اس گرفت سے بچنے کے۔اس طرح نفس پرستی کا یہ چکر چلتا رہتا ہے دراصل انسان ایک ڈھیٹ جاندار ہے جس کے ضمیر کو ہر وقت کسی پہرے دار کی ضرورت ہے جو اس کو جگاتا رہے اور اسے آسمانی اقدار سے بالکل ہٹنے نہ دے۔

یہ روحانی اقدار ہی تو ہیں جس نے ماں، بیٹے، بہن، بھائی اور باپ، بیٹی کے رشتوں کو مقدس بنایا ہے وہاں نری عقل کی رسائی کہاں اور یہ بھی آسمانی ہدایت ہی کا کمال ہے کہ اس نے حرام وحلال میں تمیز پیدا کی۔اسی نے خیر وشر کے پیمانے مقرر کیے،عدل و انصاف کے حدود متعین فرمائے۔آج دنیا میں جہاں بھی کوئی اقدار نظر آتے ہیں ان کا سرا کسی نہ کسی طرح آسمانی ہدایت ہی

سے ملتا ہے ورنہ عقل کی رسائی ذاتی نفع ونقصان کے تعین سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔اسی لیے عقل کو بھی عقل دینے کے لیے آسمانی ہدایت ناگزیر ہے۔اس بات کی وضاحت کے بعد کہ آسمانی ہدایت کیوں ناگزیر ہے اب ہم اس کی مزید وضاحت اور دلائل کے لیے اس موضوع کو آگے لے کر چلتے ہیں۔

کیا انسان مجبورِ محض ہے؟

یہ سوال کہ کیا انسان مجبور محض ہے اور یہ کہ وہ ہدایت یا گمراہی پر قطعاً کوئی اختیار نہیں رکھتا؟ یہ عقیدہ تعلیمات قرآن وسنت کے خلاف ہے۔ دراصل اس مسئلہ کی وضاحت میں موضوع کا رخ تقدیر کی طرف مڑ جاتا ہے جو بہت دقیق مسئلہ بھی ہے اور موضوع سے خارج بھی مگر ہم یہ کوشش کریں گے کہ طوالت سے بچتے ہوئے اس مسئلے کی وضاحت کر دیں۔

ہم جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا ہر عمل تقدیر میں پہلے سے لکھا ہوا ہے یہ صحیح ہے مگر ہم اس کی نوعیت کو نہیں سمجھتے اس کی نوعیت کو سمجھ لینے کے بعد بات انتہائی آسان اور صاف ہو جاتی ہے۔ اس بات کو ایک محسوس مثال سے ہم سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مثلاً آپ اپنی بیوی سے کہتے ہیں کہ ہمارا بیٹا آئندہ امتحان میں فیل ہو جائے گا اور آپ یہ بات لکھ کر اپنی بیوی کو دے دیتے ہیں کہ دیکھو میری بات غلط ثابت نہیں ہوگی پھر اتفاق سے آپ کا بیٹا فیل بھی ہو جاتا ہے اور جب آپ اس کی گرفت کرتے ہیں تو وہ آپ سے کہتا ہے کہ ابا جان آپ ہی نے تو

میری امی کو لکھ کر دے دیا تھا کہ میں فیل ہو جاؤں گا اور وہی ہوا اب میرا اس میں کیا قصور ہے۔اب آپ بتائیں کیا اس بچہ کا اپنے باپ کو یہ جواب دینا صحیح ہو گا۔نہیں ہر گز نہیں۔اس کا باپ اسے جواب میں یہی کہے گا بیٹا آپ کی تعلیم کی عدم توجہی اور عدم دلچسپی کو دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا تھا جو صحیح نکل آیا اگر آپ اپنی تعلیم پر پوری توجہ دیتے تو فیل نہ ہوتے۔یہاں پر چونکہ ایک انسان کا دوسرے انسان کے بارے میں اندازہ اور تخمینہ تھا جس میں دونوں ہی احتمال تھے کہ یا تو اس کا بچہ فیل ہو جاتا یا پاس ہو جاتا مگر باپ کے پرچہ لکھنے سے اور قبل از وقت پیش گوئی کرنے سے دراصل بیٹے کے عمل پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا اور حقیقت میں بیٹا ہی اپنی ناکامی کا ذمہ دار تھا۔

اس بات کو ذرا اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوچیں۔چونکہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے اور کائنات کی کوئی شے اس سے پوشیدہ نہیں اس لئے جب اس نے اپنی کائنات کی تخلیق فرمائی ہر چیز اپنی پوری شان کے ساتھ ایک کھلی کتاب کی مانند اس کے سامنے آموجود ہوئی۔اسے ہر چیز کا علم ہے کہ کون سی چیز کیا کرے گی اس کی عمر کیا ہے اور اس کا دائرہ عمل کیا ہے۔اسی طرح افعال انسان پر اسے قیاس کرلیں کہ فلاں انسان کیا کرے گا؟ یہ دراصل اللہ کا علم ہے اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ اس نے کسی فعل پر کسی کو مجبور بھی کر دیا ہے مندرجہ بالا باپ بیٹے کی مثال میں ہم نے دیکھا کہ وہاں دونوں احتمالات تھے کہ بچہ فیل یا پاس ہوسکتا تھا

کیوں کہ انسانی علم محدود ہے اور اللہ کا علم ذاتی اور لامحدود اور حتمی ہے جس میں خطاء ونسیان کا گزر نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اُم الکتاب میں لکھ دیا ہے وہ بہر حال ہو کر رہے گا مگر اس لکھنے کا مطلب صرف اور صرف اتنا ہی ہے کہ ''ایسا ہوگا'' اور یہ ہرگز نہیں ''تجھے ایسا کرنا پڑے گا''

اگر یہ بات آپ کی سمجھ میں آ گئی ہے تو مسئلہ صاف اور سیدھا ہے۔ دراصل ہمیں یہ نہیں دیکھنا چاہئے نہ ہی ہم اسے دیکھ سکتے ہیں کہ اللہ نے ہمارے بارے میں کیا لکھا ہے۔

غضب بالائے غضب تو یہ ہے کہ جو چیز ہمارے احاطہ ادراک اور رسائی سے باہر ہے اس پر ظنی قیاس کرتے ہوئے اپنی ہدایت وگمراہی کا فیصلہ خود صادر کر ڈالتے ہیں اور اس ہدایت کو قطعاً نہیں دیکھتے جو ہمارے ہاتھوں میں وحی کی شکل میں موجود ہے جس میں صاف اور واضح انداز میں ہر چیز موجود ہے کہ ہمیں دراصل کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔ دراصل اسی امر ونواہی (خیر وشر) پر عمل کرنے کا ہمیں اختیار دیا گیا ہے کہ ہم اسے رد کریں یا قبول اور یقیناً ہر فرد اپنے اندر یہ قوتِ اختیار پاتا ہے پھر وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ میں مجبور محض ہوں۔ دراصل انسان نے عمل سے بچنے کے لیے اور اپنی نفسانی خواہشات کے سامنے سپر ڈالنے کے بعد ایک راہ فرار اختیار کی ہوتی ہے اس کا یہ عذر قیامت میں اللہ کے سامنے کچھ وزن نہیں رکھے گا۔ قرآن مجید نے بھی ایسے لوگوں کا نقشہ ان الفاظ

میں اس طرح نقل کیا ہے''

وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُم مِّن قَبْلِ
أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ أَن
تَقُولَ نَفْسٌ يَا حَسْرَتَىٰ عَلَىٰ مَا فَرَّطتُ فِي جَنبِ
اللَّهِ وَإِن كُنتُ لَمِنَ السَّاخِرِينَ ۝ أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ
اللَّهَ هَدَانِي لَكُنتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝ أَوْ تَقُولَ حِينَ
تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةً فَأَكُونَ مِنَ
الْمُحْسِنِينَ ۝ بَلَىٰ قَدْ جَاءَتْكَ آيَاتِي فَكَذَّبْتَ
بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝

''تم اس وقت سے پہلے کہ تمہاری طرف عذاب الٰہی اچانک آ جائے جس کا پہلے سے تم کو پتہ بھی نہ چلے اس بہتر بات پر ایمان لے آؤ جو تمہاری طرف نازل تمہارے رب کی طرف سے کی گئی ہے...... پھر تم کہیں حسرت سے کہنے لگو! کہ ہائے افسوس میں نے احکاماتِ الٰہی سے غفلت کی اور میں تو مستی ہی میں لگا رہا۔ یا پھر یوں کہو کہ اللہ ہی مجھے ہدایت دے دیتا تو میں پرہیز گاروں میں ہو جاتا یا پھر عذاب کو دیکھتے ہی یہ کہہ اٹھو کہ

ہم کو ایک موقعہ اور مل جائے تو پھر ضرور نیکیاں کریں گے'' (مگر جواب ملے گا) ارے تمہارے پاس میری آیات آئیں تھیں مگر تم نے تکبر سے کام لیا اور اس طرح کافروں میں شامل ہو گئے۔'' (سورۂ زمر۔۵۵تا۵۹)

لمحۂ فکریہ:

ان مندرجہ بالا آیات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ایسے لوگوں کی دلیل کچھ وزن نہیں رکھتی جو یہ کہتے ہیں ہم مجبور محض ہیں اور اپنی ہدایت پر قادر نہیں۔ ایک طرف تو ایسے لوگوں نے ہدایت خداوندی کو چھوڑ کر اپنے' جھوٹے پیشواؤں کی پیروی کی اور اس پیروی میں اپنے آپ کو مختار سمجھا اور دوسری طرف ہدایت خداوندی کو چھوڑا اور اس کو اختیار نہ کرنے میں اپنے آپ کو مجبور سمجھا۔ اس سے بڑھ کر جہالت اور گمراہی اور کیا ہو سکتی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ ایسے لوگوں نے اپنے نفس کو خدا بنالیا ہے۔ مندرجہ بالا آیات میں آپ نے یہ بھی دیکھا کہ عذاب کو دیکھ کر کس طرح ان کی سمجھ میں آ رہا ہے کہ واقعی غلطی ان کی اپنی ہی تھی اور اختیار کے باوجود انہوں نے انکار حق کیا تھا ورنہ یہ نہ کہتے کہ ہمیں ایک موقع اور ملنا چاہئے۔ اب یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے اور عقلاً ونقلاً ثابت ہو جاتی ہے کہ انسان مجبور محض نہیں بلکہ ایک حد تک خود مختار ہے۔

اب ہم ہدایت کی اقسام کی طرف آتے ہیں اور یہ واضح کرنے کی کوشش

کریں گے کہ ہدایت سے مراد کیا ہے اور وہ کون سی ہدایت ہے جس کے بارے میں ہم کہتے اور سنتے ہیں کہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کردیتا ہے۔

ہدایت کی قسمیں:

ہدایت کو ہم چار قسموں پر تقسیم کر سکتے ہیں جس سے اس موضوع کی مکمل وضاحت ہوجائے گی۔

"ربناَ الذی اَعْطٰی کُلَّ شیئٍ خَلَقَهٗ ثُمَّ هَدی"(۲۰۔۵۰)

(اِلہامی)۱۔تکوِینی ہدایت

اللہ رب العزت نے پوری کائنات کو وجود بخشا تو اس کی ہر ہر چیز کو اس کے مناسب حال تکوِینی ہدایت بخشی مثلاً سورج کو ہدایت فرمائی کہ وہ مشرق سے نکلے اور مغرب میں غروب ہو اور فلاں رفتار سے چلے اور اتنی اتنی قوت اپنے اندر سے خارج کرے وغیرہ اور اسی طرح چاند کی منزلیں مقرر فرمائیں اسی طرح نباتات۔جمادات اور انسان تک میں ایسے قوانین مقرر فرمائے جس سے یہ ساری اشیاء اپنے اندر ودیعت کی ہوئی ہدایت سے یک سرے منہ تجاوز نہ کرسکیں مثلاً ہر جاندار ہی کو لے لیجئے اس کی آنکھ کو یہ ہدایت کی کہ وہ دیکھنے کا کام دے اور کان مجبور ہے کہ وہ سننے کا کام کرے اسی طرح اس کے خون کی گردش جسم کا اندرونی نظام وغیرہ اس قانونی ہدایت سے انحراف نہیں کرسکتا۔اسی طرح نباتات میں

آپ غور کریں خاص خاص پھلوں کا خاص خاص موسم میں اُگنا اور پکنا اور ہر درخت کا اپنا ہی پھل دینا اور اس کا اپنا ذائقہ اس تکوینی ہدایت کے تابع ہے۔مزید برآں جانوروں میں ایک خاص تکوینی نظام جاری وساری ہے جس کے تحت وہ اپنی زندگی گزارتے ہیں اور اس تکوینی نظام ہدایت سے انحراف ان کے لیے قطعی ناممکن ہے جس میں ان کی خوراک ان کا پروان چڑھنا ایک خاص طریقے سے ان کا رہنا سہنا وغیرہ مثلاً اگر آپ ایک چڑیا کے بچہ کو پیدا ہوتے ہی اس کی ماں سے جدا کر دیں اور کبھی اس کو اپنی ہم جنس سے نہ ملنے دیں پھر بھی وہ چڑیا کا بچہ بڑا ہو کر اپنی ماں ہی کی طرح گھونسلہ بھی بنائے گا اب آپ دیکھیں اس میں اپنی ہم جنس کی طرح گھونسلہ بنانے کی صلاحیت کس نے رکھی ہے یہ وہی تکوینی ہدایت کا نتیجہ ہے اس طرح کی سینکڑوں مثالیں دی جاسکتی ہیں آپ جب قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات پر غور کریں گے یہ بات نہایت صاف ہو کر آپ کے سامنے آجائے گی:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝ وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝

"اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے جس نے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا پھر اندازہ مقرر کیا اور ان کو (اپنے حسب حال) ہدایت کر دی" (سورۃ الاعلیٰ:۱تا۳)

اس بات کو حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی مایہ ناز تفسیر معارف

القرآن میں بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔

(حوالہ معارف القرآن، جلداول ص ۸۷تا۹۰)

آپ نے مندرجہ بالا آیات میں غور فرمایا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کو اپنی تکوینی ہدایت کے ماتحت کیا ہے اس طرح یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ تکوینی ہدایت ایک ایسی ہدایت ہے جو صرف اور صرف اللہ رب العزت کی طرف سے اپنی مخلوق میں ودیعت کردی جاتی ہے جس میں مخلوق کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ وہ (مجبور ہوکر) اس تکوینی ہدایت کے ماتحت چلتی رہے اور اس سے قطعاً انحراف نہ کر سکے۔ مگر یہ تکوینی ہدایت سراسر حکمت خداوندی کے ماتحت ہوتی ہے جس میں کوئی رخنہ نہیں ہوتا پوری کائنات کا نظام اس تکوینی نظام کے ماتحت رواں دواں ہے۔ اب ہم ہدایت کی دوسری قسم کی طرف آتے ہیں۔

ہدایت (نازل شدہ ہدایت): ہدایت کی یہ دوسری قسم بھی اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جو وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام پر انسانوں کی رہبری کے لئے نازل ہوتی رہتی ہے مگر اس میں اور تکوینی ہدایت میں ایک عظیم فرق یہ ہے کہ انسان اس ہدایت کو ماننے اور نہ ماننے میں خودمختار بنایا گیا ہے چاہے مانے چاہے نہ مانے۔ یہ دراصل وہ احکامات ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے نازل ہوتے ہیں۔ نبی آخر الزماں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے

بھی انبیاء علیہم السلام پر مختلف اوقات میں ایسی ہدایت یعنی احکامات صحیفوں کی شکل میں تو کبھی کتابوں کی شکل میں اور کبھی فرامین کی شکل میں آتے رہے اور انسان ان کو رد اور قبول کرتا رہا۔ قبول کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں کامیاب و سرخرو فرمایا اور نافرمانوں کو دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار کر دیا۔ مندرجہ ذیل آیات قرآنی سے ہماری اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ انسان ردو قبول ہدایت میں آزاد ہے۔

آیات قرانیہ:

فَمَن شَاء فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاء فَلْيَكْفُرْ

''جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے''

(سورۂ کہف:۲۹)

مَّنِ اهْتَدَى فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ٥

''جو شخص ہدایت اختیار کرتا ہے تو اپنے لئے اختیار کرتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے تو گمراہی کا ضرر بھی اسی کو ہوگا''۔

(سورۂ بنی اسرائیل ۱۵)

إِنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدَى فَلِنَفْسِهِ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ٥

"بے شک ہم نے آپ پر کتاب (قرآن) لوگوں کی ہدایت کے لیے سچائی کے ساتھ نازل کی ہے تو جو شخص ہدایت پر چلتا ہے تو اپنے ہی بھلے کے لیے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو اپنا ہی نقصان کرتا ہے"۔ (سورۂ زمر:۴۱)

مندرجہ بالا آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان مطلقاً اس ہدایت کو جو اس کی طرف انبیاء و رسل علیہم السلام کی وساطت سے آتی ہے رد و قبول کا اختیار رکھتا ہے اور خالص اپنی مرضی اور آزادی سے اسے رَد یا قبول کرتا ہے اس لئے اگر رد کرنے کی صورت میں وہ گمراہی کے راستے پر چل پڑتا ہے تو وہ خود ہی اس کا ذمہ دار ہے اس کی گمراہی کا الزام قطعاً اللہ تعالیٰ پر نہیں لگایا جا سکتا کہ نعوذ اللہ کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کر دیا۔

تلقینیِ ہدایت:

یہ ہدایت کی تیسری قسم ہے تلقینی ہدایت دراصل وہ ہدایت ہے جس پر تمام انبیاء علیہم السلام اللہ کی طرف سے مامور تھے کہ وہ اپنی اپنی قوم کے سامنے ان کی طرف آئی ہوئی اللہ کی ہدایت پیش کریں اور اسی ہدایت کے مطابق معاشرہ تشکیل دیں۔ اللہ کی اتاری ہوئی ہدایت کی طرف بلانے کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے اور ان انبیاء علیہم السلام کے بعد ان کے امتیوں کی ذمہ داری ٹھہری کہ وہ اس ہدایت کی تبلیغ کریں۔ اسی ہدایت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اِنّکَ لَتَھْدِی اِلیٰ صِراطَ الْمُستقَیم''

''کہ بے شک آپ ﷺ لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت

کرتے ہیں'' (سورہ شوریٰ)

یعنی انسانوں کو اس صراط مستقیم کی طرف دعوت دیتے ہیں، بلاتے ہیں۔تو کہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے رسول کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے''وما علی الرسول الا البلاغ ''اس تیسری قسم کی ہدایت میں ہر پہنچا دینے والے کی یا تلقین کرنے والے کی ذمہ داری اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ بلاکم وکاست اس تک پہنچی ہوئی ہدایت کو دوسروں تک پہنچا دے۔انسانوں کے دلوں کو بدلنا اس کے دائرہ اختیار سے باہر ہے جیسے ایک جگہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

إِنَّکَ لا تَھْدِیْ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِیْ مَن يَشَاء

(یعنی آپ جس کو چاہتے ہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ ہدایت

اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔'' (سورۃ القصص:۵٦)

دراصل یہاں پر ہدایت کی نفی دلوں کے بدلنے کے معنی میں ہے ورنہ صرف ہدایت کرنا یا ہدایت کی طرف بلانا اس پر تو انبیاءؑ ورسلؑ تھے ہی مامور اس لئے مندرجہ بالا ہر دو آیات کا مفہوم سمجھنے کے بعد ہدایت دینے اور ہدایت کرنے کا مفہوم واضح ہو جانا چاہئے۔

مندرجہ بالا تینوں ہدایت کو سامنے رکھ کر بات جو واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ:

ا۔ایک ہدایت تکوینی (قانون فطرت) ہے جو سراسر اللہ کا فعل ہے اور ہر مخلوق اس ہدایت کے تابع ہے۔

۲۔دوسری ہدایت وہ ہے جو انبیاء علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ نازل فرماتا ہے جو صرف اور صرف اسی کی طرف سے ہوتی ہے اور سراسر ہدایت ہی ہدایت ہوتی ہے مگر اس کے رد اور قبول کا اختیار انسان کو دے دیا گیا ہے۔

۳۔ تلقینی ھدایت: یہ وہ ہدایت ہے جو انبیاء علیہم السلام ان کی طرف آئی ہوئی ہدایت کو انسانوں تک پہنچاتے ہیں۔

۴۔توفیقی ہدایت:

اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔مندرجہ بالا ہدایت کی تینوں اقسام کی وضاحت کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ان اقسام کی ہدایت سے گمراہی کا تو سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں یہ سراسر تینوں اقسام ہدایت ہی ہدایت ہیں۔مثلاً پہلی الہامی ہدایت جو پوری اشیاء کائنات کو دی گئی ہے اس کے بارے میں خود قرآن مجید یہ چیلنج دیتا ہے کہ:

الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقاً مَّا تَرَى فِيْ
خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِن تَفَاوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ
تَرَى مِن فُطُورٍ ہ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ
يَنقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِأً وَهُوَ حَسِيْرٌ ہ

''ہم نے سات آسمان تہ بہ تہ بنائے اور تم اللہ کی تخلیق کی
ہوئی اس کائنات میں کوئی رخنہ نہیں پاؤ گے (اگر چاہو
تو) اپنی نگاہ کو اس میں کھپا کر دیکھ لو تمہاری نگاہ تو تھک سکتی
ہے مگر میری تخلیق میں تمہیں کوئی نقص نہیں ملے گا۔

(سورۂ ملک: ۴-۳)

اس طرح دوسری ہدایت جو اللہ تعالیٰ انبیاء و رسول علیہم السلام پر نازل فرماتا ہے وہ بھی سراسر ہدایت ہی ہدایت ہے کبھی نعوذ باللہ ایسا نہیں ہوا کہ دین کی طرف سے گمراہی کی دعوت دی گئی ہو نہ ہی کوئی اس کو ثابت کر سکتا ہے۔

''رہی تیسری ہدایت جسے ہم نے تلقینی ہدایت کا نام دیا ہے وہ بھی سراسر ہدایت ہی ہدایت ہے کیوں کہ اللہ کی نازل کردہ ہدایت کو لوگوں تک پہنچا دینا اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی کئے بغیر پہنچا دینا بالکل اسی طرح ہے کہ گویہ ایک صحیح چیز کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دینا چونکہ لوگوں تک اللہ کی ہدایت کو پہنچا دینے پر انبیاءؑ و رسلؑ مامور ہوتے ہیں اس لئے گمراہی کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا اس لیے یہ تلقینی ہدایت بھی سراسر ہدایت ہی ہدایت ہے اگر بالفرض محال یہ مان لیا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد اگر ان کے پیروؤں نے وہ ہدایت جو ان کی طرف آئی تھی اس میں آمیزش بھی کر دی ہو اور انہوں نے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہو تا تب بھی اس کی نسبت اللہ کی طرف نہیں ہو سکتی اس لیے یہ بات اب بھی حل

طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ ''ہم جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں گمراہ کر دیتے ہیں۔''

ھدایت کے لیے رجوع:

اسی اہم بات کو ہمیں اس مضمون میں حل کرنا ہے۔ دراصل قرآن مجید کی بے شمار آیات سے پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی ہدایت کی طرف رجوع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے دیتا ہے اور جو لوگ اس کی نازل کی ہوئی ہدایت سے منہ موڑتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں زبردستی ہدایت پر نہیں لاتا اور ان کو ان کی حالت میں چھوڑ دیتا ہے جب اللہ تعالیٰ ہی کسی فرد یا جماعت کی ہٹ دھرمی جو ہدایت کے مقابلے میں وہ اختیار کرتے ہیں چھوڑ دے تو بتاؤ ان کو کون ہدایت دے سکتا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہدایت حاصل کرنے کے لیے ہدایت کی طرف رجوع اور ارادہ ضروری ہے اگر کوئی شخص یہ دو کام کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو مزید توفیق دے دیتے ہیں اور وہ ہدایت کے راستے پر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور اسی طرح اگر وہ ہدایت سے منہ موڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اسی حالت میں چھوڑ دیتے ہیں اور وہ اسی گمراہی میں آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ گویا کہ اس کی ضد اور انا کی وجہ سے اس کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ یہی مطلب ہے ان آیات کا جن میں کہا جاتا ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے گویا کہ اس کا دوسرا مفہوم یہ ہوا

کہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی ہدایت کی طرف رجوع کریں تو وہ انہیں توفیق دے گا اور دوسری طرف یہ کہ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ لوگ اس کی ہدایت سے منہ نہ موڑیں ورنہ وہ یہ چاہے گا کہ پھر وہ ان کو توفیق نہ دے اور جب وہ ان کی رُوگردانی کی وجہ سے توفیق نہیں دے گا تو پھر لامحالہ انسان گمراہی کی طرف بڑھے گا۔ کیوں کہ یہ دنیا دارالامتحان ہے اگر یہاں پر بغیر قاعدے کے زبردستی کسی کو ہدایت دے دی جائے یا تکوینی طور پر اس کے اندر ہدایت رکھ دی جائے تو پھر وحی نازل کرنا اور انبیاءؑ ورسلؑ کا بھیجنا بے معنی ہو جاتا ہے۔ البتہ انبیاء علیہم السلام کی بات اور ہے کہ وہ تو ہوتے ہی ہیں مامور من اللہ۔ اس لئے ان کو ہدایت یافتہ بنا کر ہی بھیجا جاتا ہے مگر امتیوں کے لئے قاعدہ مختلف ہے کہ ان کے لئے رجوع اور ارادہ فرض ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اَللّٰہ یَجْتَبِي اِلَیهِ مَن یَشَاءُ وَیَھْدِیٓ اِلَیهِ مَن یُنِیب'' ''یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے لئے منتخب کر لیتا ہے اور ہدایت اس کو دیتا ہے جو رجوع کرے'' یہاں پر منتخب کرنے سے مراد انبیاءؑ ورسولؑ ہیں اور ہدایت کے لیے رجوع کی جو شرط ہے وہ ان مخاطبین کے لیے ہے جن کے سامنے ہدایت پیش کی جائے اس موضوع کو ہم مزید آیات قرآنیہ سے ثابت کرتے ہیں۔

اَفَاَ نت تُکْرِہ النَّاس حتیٰ یُکُونو امو مِنِینُ

''کیا آپ لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہو کہ وہ مومن ہو جائیں'' (۱۰۔۹۹)

دیکھئے یہاں پر بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ لوگ قبول اور رد کے لئے آزاد ہیں گویا کہ جو رجوع کریں گے ان کو توفیق مل جائے گی اور جو رد کر دیں گے ان کی توفیق سلب ہو جائے گی۔

اس طرح ایک جگہ فرمایا: وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکَافِرِیْن ''اور کہیں ظالمین بھی فرمایا۔ ''یعنی جو لوگ کفر و ظلم کرتے ہیں، ان کو اللہ ہدایت نہیں دیتا یعنی توفیق نہیں دیتا۔'' (۲-۲۶۴)

اور ایک جگہ فرمایا:

''اللہ تعالیٰ جھوٹے اور ناشکرے کو ہدایت نہیں دیتا''۔ (۲-۳۹)

لہٰذا آیت کے معنی یہ ہوئے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی پہنچی ہوئی ہدایت قبول نہیں کرتا اسے اللہ تعالیٰ بھی ہدایت نہیں بخشتا، عربی میں ایک محاورہ مشہور ہے یعنی ''جو شخص میرے ہدیہ یا عطیہ کو قبول نہیں کرے گا میں بھی اسے ہدیہ نہ دوں گا''

ایک مثال اس آیت میں بھی غور فرمائیں: ''وَمَن یُو من بِاللّٰہ یَھْدی قَلْبَہُ'' جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے وہ اس کے دل کو ہدایت دے دیتا ہے۔'' (۱۱-۵۴)

اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے ایمان لاؤ اور اپنا رجوع ثابت کرو تو تمہیں مزید توفیق مل جائے گی۔

ایک اور جگہ بات اس سے بھی زیادہ واضح انداز میں سامنے آتی ہے۔ ''جس نے

خدا کی ہدایت کی رسی مضبوطی کے ساتھ تھام لی وہ سیدھے راستے پر لگ گیا" (۲۔۱۶)

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

أَفَأَنتَ تَهْدِي الْعُمْيَ ہ

"کیا آپ (دل کے) اندھوں کو راستہ دکھائیں گے۔" (۱۰۔۲۳)

یہاں پر بھی آپ دیکھ رہے ہیں کہ جو لوگ دل کے اندھے ہیں یعنی جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی ہدایت کو قبول ہی نہیں کرتے وہ گویا اندھے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ توفیق نہیں دیتا حالانکہ ان کے سامنے ہدایت موجود ہوتی ہے چاہے وہ کتاب کی شکل میں ہو یا کسی نبیؑ یا رسولؑ کی شکل میں مگر وہ اسے رَد کر دیتے ہیں اور اس ہدایت کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے کے لیے تیار نہیں ہوتے گویا وہ اپنی نفسانی خواہش کو خدا بنا لیتے ہیں اور گمراہ رہنا پسند کرتے ہیں ایسے لوگوں کو زبردستی ہدایت یافتہ بنانا نہ سنت اللہ ہے نہ سنت انبیاءؑ۔

پھر اس آیت میں بھی غور فرمائیں۔ فَاِنْ اَسْلَمُو فَقَدِ هْتَد وُ

"اگر یہ لوگ اسلام لے آئیں تو بے شک ہدایت پالیں۔" (۳۔۲۰)

پھر آخر میں اس آیت کو بھی دیکھ لیں جو ہماری پوری بحث کا خلاصہ ہے کہ

"تو جو کوئی ہدایت حاصل کرے تو وہ اپنے ہی (فائدے)
کے لیے ہدایت قبول کرتا ہے اور جو گمراہی اختیار کرے تو
گمراہی سے اپنا ہی (نقصان) کرتا ہے۔

امان اللہ اسماعیل صاحب کی تصانیف

☆ صفات المومنین .... ایک ہزار

☆ حقیقت توکّل .... تین ہزار

☆ تقسیم میراث کی اہمیت .... دو ہزار

☆ نکاح وطلاق .... تین ہزار

☆ سچّوں کے ساتھ ہو جاؤ .... دو ہزار

☆ وعدہ اپنا پورا کریں .... ایک ہزار

☆ ان سنتوں پر عمل کون کرے گا................ ایک ہزار

☆ حقیقت ہدایت .... چار ہزار

☆ حرمتِ شراب .... ایک ہزار

مؤلف کی دیگر تالیفات

صفات المومنین

نکاح وطلاق

تقسیم میراث کی اہمیت

حقیقتِ ہدایت

حقیقتِ توکّل

حرمتِ شراب

وعدہ اپنا پورا کریں

سچّوں کے ساتھ ہوجاؤ

قتلِ ناحق واحترامِ انسانیت

ان سنّتوں پر عمل کون کرے گا؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش

Email: wajdan11@rocketmail.com
astmills@hotmail.com